82236
7.4.82

اقبال کا اردو کلام

از جناب کمال جعفری ایم۔ اے، آل انڈیا ریڈیو، نئی دہلی

یہ اردو زبان کی خوش اقبالی ہے کہ اسے علامہ اقبال جیسے عظیم شاعر ملے جن کی شاعری نے اسے دنیا کی زبانوں میں محترم بنا دیا۔ اقبال ایک ذہین فلسفی، حساس شاعر اور دردمند انسان تھے۔ انھوں نے حالات حاضرہ کا ہر زاویۂ نظر سے گہرا مطالعہ کیا تھا جس کی وجہ سے اُن کی شاعری میں بڑی گہرائی اور وسعت پیدا ہوئی۔ ان کی شاعری انسانی مسائل سے ہم آہنگ ہے اور حیات و کائنات کا ایک مکمل پیغام رکھتی ہے۔ بقول علی سردار جعفری[۱]:

"اقبال مسلم بیداری کے شاعر تھے اس میں ایشیائی بیداری شامل ہے، اقبال ہندوستان کی بیداری کے شاعر تھے اس میں پوری تحریک آزادی شامل ہے، اور اقبال عالم انسانیت کی بیداری کے شاعر تھے اس میں اشتراکیت کی فتح اور کارل مارکس اور لینن کے افکار کی عظمت شامل ہے، اقبال کی دوسری اور تیسری حیثیت ان کی پہلی حیثیت کی تردید نہیں کرتی بلکہ میرے نزدیک اس کی توثیق اور توسیع کرتی ہے کیوں کہ

---

[۱] "اقبال شناسی" علی سردار جعفری، صفحہ ۱۱ (دیباچہ)

ہندوستان اور ایشیا کی مسلم بیداری عالمِ انسانیت کی بیداری کا ایک حصّہ ہے۔ اقبال صحیح معنوں میں عالمی شاعر تھے"۔

اقبال کی قومی، ملی، وطنی اور فلسفیانہ شاعری بڑی پہلو دار ہے، انھوں نے فکر و تجسس کا ایسا مرقع پیش کیا ہے کہ عقلِ انسانی حیران رہ جاتی ہے، قدرت نے انھیں دردمند دل عطا کیا تھا۔ یہی سبب ہے کہ ہر شخص ان کے کلام کو پڑھنے کے بعد یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اقبال نے جو کچھ کہا ہے وہ اس کے دل کی ترجمانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے لہٰذا کوئی اقبال کو شاعرِ مشرق، کوئی قومی رہنما، کوئی حکیم الامت، کوئی فلسفی، کوئی شاعرِ اسلام اور کوئی اشتراکیت کا علمبردار سمجھتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان کی شاعری ہر مکتبۂ فکر کی بھرپور نمائندگی کرتی ہے۔ اس لیے ہر مکتبۂ فکر کے لوگ ان کو اپنا شاعر سمجھتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ان کے آفاقی ہونے کی دلیل ہے، چنانچہ زمانہ جیسے جیسے گذرتا جائے گا ان کی شاعری قبول عام کی سند حاصل کرتی جائے گی۔

فی الحال میرے پیشِ نظر ان کا اردو کلام ہے، اردو میں علامہ اقبال کے چار مجموعے بانگِ درا، ضربِ کلیم، بالِ جبریل اور ارمغانِ حجاز ہیں۔ یہ چاروں مجموعے فکری، ادبی، انقلابی اور علمی نقطۂ نظر سے آفاقی خوبیاں رکھتے ہیں۔ بانگِ درا ان کا پہلا مجموعہ کلام ہے اور یہی وہ تصنیف ہے جس کی بدولت ہندوستان کی اردو دنیا میں علامہ اقبال کو شہرتِ دوام حاصل ہوئی۔ اس میں زیادہ تر نظمیں ہیں جنھیں علامہ اقبال انجمن حمایت اسلام کے لیے کہتے تھے۔ وہ انجمن حمایتِ اسلام، لاہور کی نشستوں میں اپنی نظمیں اس دلنشین انداز میں پڑھتے تھے کہ سننے والوں پر رقت طاری ہو جاتی تھی ان کی قومی نظموں نے خوابیدہ قوم میں زندگی کی بیداری کی روح پھونک دی۔ ان کی نظموں میں ترانۂ ہندی، ہمالہ، نالۂ یتیم، شمع و شاعر، شکوہ، جواب شکوہ اور طلوعِ اسلام نے عوام و خواص میں بے پناہ مقبولیت حاصل کی۔ اُس زمانے میں ان کی اکثر نظمیں

رسالہ "مخزن" میں شائع ہوتی تھیں، اس کے علاوہ مختلف رسالوں میں ان کی نظمیں شائع ہوکر عوام سے داد حاصل کرتی تھیں اور رسالوں کے مدیر حضرات ان سے نظم کی اشاعت کے لیے فرمائش کیا کرتے تھے۔ ان کی قومی اور ملی نظموں نے لوگوں کے دلوں میں ایسی تاثیر پیدا کی کہ وہ شاعر مشرق اور حکیم الامت کہلانے لگے۔ بانگ درا میں ترانۂ ہندی، ہندوستانی قومی بچوں کا گیت اور نیا شوالہ جیسی نظمیں اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اقبال ایک سچے محب وطن شاعر تھے۔ اس موقع پر یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو لوگ اقبال کو متعصب اور فرقہ پرست شاعر سمجھتے ہیں ان کے دل ملک وملت اور انسانیت کے درد سے خالی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اقبال کو قدرت نے ایک دردمند دل اور روشن دماغ عطا کیا تھا ان کی شاعری "ادبی تفریح" نہیں بلکہ انسانیت کے لیے "ادبی تبلیغ" ہے۔ ان کی شاعری پر کسی مخصوص برادری یا فرقے کی طرفداری کا لیبل نہیں چپکایا جاسکتا۔ اقبال متعصب شاعر ہوتے تو رامچندر جی۔ سوامی رام تیرتھ اور شیکسپیئر پر نظم نہیں کہتے۔ ان کی وسیع النظری کی ایک جامع مثال یہ ہے کہ انھوں نے اپنی مشہور تصنیف "بال جبریل" کا نام مالوہ کے مشہور اور قدیم حکمراں ہری بھرتری کے چھٹے اشلوک سے اخذ کیا۔ انھوں نے مذکورہ اشلوک کا ترجمہ اس خوبصورتی سے کیا ہے کہ سراسر آمد کا گمان ہوتا ہے :۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

اقبال کو بعض تنگ نظر ناقدین فطری شاعر نہیں مانتے اور انھیں خطیب، مولوی اور دوسرے غیر ضروری ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ ایسے ناقدین اقبال جیسی بین الاقوامی شخصیت کی مخالفت کرکے مشہور ہونا چاہتے ہیں در اصل یہ ناقدین نفس کے غلام ہیں۔ میں کچھ لوگوں کے نام گنواتا لیکن فی الحال گریز کر رہا ہوں اور اپنے

اس دعوے کے ثبوت میں کہ علامہ اقبال شاعرِ فطرت بھی تھے مثال کے لیے اس وقت دو نظم "آرزو" اور "ماہِ نو" کا ذکر کر رہا ہوں جو خالص نیچرل شاعری کی دلیل ہیں۔

"ماہِ نو" کے ابتدائی بند کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال کا اندازِ بیان کس قدر شگفتہ اور مترنم ہے اس میں ایسا بیساختہ پن پیدا ہوگیا ہے کہ بیک وقت موسیقی اور آہنگ دونوں کا لطف برقرار رہتا ہے اور کسی بھی پڑھنے والے پر ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ وجد کرنے لگتا ہے۔ ؎

ٹوٹ کر خورشید کی کشتی ہوئی غرقاب نیل
ایک ٹکڑا تیرتا پھرتا ہے روئے آبِ نیل
طشتِ گردوں میں ٹپکتا ہے شفق کا خونِ ناب
نشترِ قدرت نے کیا کھولی ہے فصدِ آفتاب
چرخ نے بالی چرالی ہے عروسِ شام کی
نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے سیمِ خام کی

نظم "آرزو" کے یہ اشعار اس قدر نیچرل ہیں کہ ایسی مثال ساری اردو شاعری میں بمشکل ملے گی اشعار کی ہیئت، آہنگ اور موسیقی نے ایسا سماں باندھا ہے کہ خود فطرت ان کی قادر الکلامی پر نازاں نظر آتی ہے: —

صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو
ہو دلفریب ایسا کہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو
آغوش میں زمیں کی سویا ہوا ہو سبزہ
پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو

٭

پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو
مہندی لگائے سورج جب شام کی دلہن کو
سرخی لیے سنہری ہر پھول کی قبا ہو

"بانگ درا" کا وہ کلام جنھیں اقبال نے سفر یورپ کے تجربوں کی روشنی میں ترتیب دیا ہے، وہ فکر وفن کی وسعتوں سے ہم آہنگ ہے، دراصل سفر یورپ نے ان کو آفاقی نظریہ دیا اور ان کی شاعری میں ایسی پختگی پیدا ہوئی کہ انھوں نے حیات وکائنات کا تعمیری لائحہ عمل پیش کیا اور اہلِ مشرق کو اہلِ مغرب کے مقابلے میں بیدار کیا۔

علامہ اقبال صحیح معنوں میں زندگی کے شاعر تھے ان کا نظریۂ حیات اسلامی قدروں کا آئینہ دار ہے لیکن وہ تنگ نظر نہیں تھے انھوں نے دوسرے مذاہب اور نظریات کا بھی گہرا مطالعہ کیا تھا یہ اور بات ہے کہ ان کے افکار کا اصل ماخذ قرآن کریم رہا۔ انھوں نے قرآن مقدس کی تعلیمات کو شاعرانہ اصطلاحوں کے ساتھ پیش کیا اور عالمی ادب میں یہ ثابت کیا کہ دنیا کی ظاہری مادّی طاقتیں دائمی سکون نہیں دے سکتیں انھوں نے اپنے سحر آفریں کلام کے ذریعہ یہ واضح کیا کہ انسان روحانی قدروں کو اختیار کرے تو مادی طاقتوں پر غالب آسکتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ انھوں نے اپنے نظریات کی وضاحت کے لیے خودی، مردمومن اور شاہین جیسی علامتوں کو فکر وفن کا جامہ پہنایا۔ انھوں نے زندگی کا ماحصل یہ بتایا کہ انسان مردمومن بن جائے تو اس کی روح بیدار ہوسکتی ہے انھوں نے 'مردمومن' سے مراد خداترس انسان لیا ہے۔ "ضرب کلیم" میں مردمومن کی سچی تعریف اقبال نے یوں بیان کی ہے:

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

انھوں نے "بال جبریل" میں مردِ مومن کی عظمت و طاقت کو اس دلنشین انداز میں بیان کیا ہے کہ سلف صالحین کی یاد تازہ ہو جاتی ہے:

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

"ضرب کلیم" اور "بال جبریل" میں فرق یہ ہے کہ ضرب کلیم میں فلسفہ زیادہ ہے اور شاعری کم — اس کے برعکس "بالِ جبریل" میں فلسفہ اور شاعری دونوں کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ ضرب کلیم میں انھوں نے چھوٹے چھوٹے عنوانات کے تحت اپنے گوناگوں افکار کا اظہار کیا ہے اور ہر عنوان اپنے اندر ایک مکمل فلسفہ رکھتا ہے، فی الحال ضرب کلیم کا ایک بند پیش کر رہا ہوں جس سے یہ اندازہ ہوگا کہ ان کا ذہن معبود حقیقی کے پیغام کو پیش کرنے میں کس قدر متحرک تھا: —

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ

بال جبریل کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اقبال کا نظریہ آفاقی ہے انھوں نے اس مجموعۂ کلام میں ایسا ابدی اور سرمدی پیغام پیش کیا ہے کہ اس کی روحانی لذتوں سے سیراب ہو کر انسان "مردِ مومن" کی سرحد میں داخل ہو سکتا ہے جہاں عشق و مستی

کا سمندر ابلتا نظر آئے گا۔ دراصل بال جبریل خدا اور بندہ کے درمیان عشق کا وہ اتھاہ سمندر ہے کہ اس کی تہوں میں ایمان ویقین کی کرنیں بکھری ہوئی ہیں "بال جبریل" میں اقبال نے عشقِ رسول صلعم کا ایسا پاکیزہ اور روح پرور نقشہ کھینچا ہے کہ اس کی مثال کہیں شاذ ونادر ہی مل سکتی ہے۔ ان کے سارے کلام میں عشقِ رسول صلعم کی لے پائی جاتی ہے، میں اس وقت ان کا ایک شعر پیش کر رہا ہوں جسے پڑھنے کے بعد اندازہ ہوگا کہ وہ محسنِ انسانیت کی شان میں کس عقیدت سے شعر کہتے تھے، ایسا شعر صرف وہی کہہ سکتے تھے:

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

اس شعر سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے حسان بن ثابت رضی کی یاد تازہ کردی دراصل اقبال نے عشقِ رسول صلعم میں کھو کر خودی کی بے بہا دولت سے اپنا دامن بھر لیا تھا۔ وہ اپنے اس عشق کا اظہار کس خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں، محسوس کرنے کی چیز ہے:۔

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی،
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ خداوندی

جب عشق سے انسان آداب خود آگاہی سیکھ لیتا ہے تو غلامی پر بھی اسرارِ خداوندی کے راز کھل جاتے ہیں اور عشق اتنا محکم ہوجاتا ہے کہ یہ آدمی کے ریشے ریشے میں سرایت کر جاتا ہے اقبال نے اس حقیقت کو کتنی خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے ملاحظہ کرنے کی چیز ہے:۔

آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحرگاہی کا نم

اقبال نے فلسفۂ خودی کی بھرپور وضاحت بھی "بال جبریل" ہی میں کی ہے۔

انھوں نے خودی کی عظمت کا اظہار درج ذیل شعر میں اس انداز سے کیا ہے کہ انسان کی خودی درجۂ معراج حاصل کر لیتی ہے:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اقبال نے خودی کی وضاحت کر کے خدا کی نظر میں انسان کو محترم بنا دیا ہے:

علامہ اقبال کی مشہور نظم "مسجد قرطبہ" اردو ادب میں شاہ کار کی حیثیت رکھتی ہے ایسی پائے کی نظم آج تک کسی شاعر نے نہیں کہی۔ خود اقبال ایسی دوسری نظم پھر کبھی نہ لکھ پائے۔ یہ نظم فکر و فن کے نقطۂ نظر سے بالکل اچھوتی ہے اس میں ایسا الہامی انداز ہے کہ انسان کھو کر رہ جاتا ہے۔ اس نظم کی تعریف کرتے ہوئے پروفیسر رشید احمد صدیقی[۵] رقمطراز ہیں:

"اس نظم کو جسے اردو نظموں کی مسجد قرطبہ کہیں تو بے محل نہ ہوگا، پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے نماز کی منزلت کو جس قدر اور جس طرح اقبال نے مسجد قرطبہ کی تعبیر سے مسلّم و متعین کیا۔ آج تک شاید ہی کسی اور نے آثار عظیم کا باستثناء روضۂ اقدس اور خانۂ کعبہ کیا ہوگا، کبھی کبھی تو یہاں تک گمان ہونے لگتا ہے کہ روز اوّل ابلیس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر کے جس طرح جلالت الٰہی کو معرض بحث میں لانے کا اقدام کیا، اقبال نے مسجد قرطبہ میں مرد مومن کے سجدے کی عظمت کی تعبیر کر کے اس کی تلافی کر دی ہو"

اس نظم کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں جن میں اقبال نے مرد مومن کی عظمت کو بڑے تزک و احتشام کے ساتھ پیش کیا ہے:

---

۵ "اقبال شخصیت اور شاعری" رشید احمد صدیقی صفحہ ۱۲۸

تجھ سے ہوا آشکار بندۂ مومن کا راز
اس کے دنوں کی تپش اس کے شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا مردِ مسلماں کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کارکشا کارساز
خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب اس کی نگہ دل نواز
نرم دمِ گفتگو نرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز
نقطۂ پرکارِ حق مردِ خدا کا یقیں
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں گرمیٔ محفل ہے وہ

اقبال نے تصوف میں سب سے زیادہ رومیؒ کی پیروی کی ہے رومی کو وہ اپنا روحانی پیر تصور کرتے تھے، انھوں نے عارفِ خدا کا صحیح مقام متعین کیا ہے اس سلسلے میں ان کا ایک بند بطور نمونہ بالِ جبریل سے پیش کیا جا سکتا ہے:

دمِ عارف نسیمِ صبح دم ہے
اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسّر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

اقبال کا آخری مجموعۂ کلام "ارمغانِ حجاز" ہے اس میں نظم، رباعی اور قطعات اپنے موضوع کے اعتبار سے بہت اہم ہیں، نظم "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" فکری اور فنی اعتبار سے وقیع ہے۔ فی الحال ارمغانِ حجاز سے ایک رباعی پیش کر رہا ہوں۔ دیکھا جائے تو کائنات کا ذرّہ ذرّہ نورِ الٰہی سے معمور ہے اس خیال کا اظہار اقبال نے کس دلنشین انداز میں کیا ہے:

خرد دیکھے اگر دل کی نگہ سے
جہاں روشن ہے نورِ لاالٰہ سے

نقطۂ آں گردشِ شام و سحر ہے اگر دیکھیں فروغِ مہر و مہ سے

اقبال کے اردو کلام میں وہ تمام شاعرانہ اور فلسفیانہ خوبیاں موجود ہیں جن کی بدولت حیات و کائنات کا براہ راست مطالعہ کیا جا سکتا ہے،

اقبال دنیا کے وہ پہلے شاعر ہیں جو زندگی کے مسائل ہی بیان نہیں کرتے بلکہ ان مسائل کا حل بھی بتاتے ہیں اور یہی ایک عظیم شاعر کی خصوصیت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ صرف اقبال کے اردو کلام کا مطالعہ کیا جائے جب بھی ان کی حیثیت کم نہیں ہوگی۔

زبدۃ الحکمۃ

مصنفہ خاتم الحکماء مولانا عبدالحق خیر آبادی

منطق و فلسفہ میں اردو تصنیف ہے جسے مولانا محمد عبدالشاہد خاں شروانی نے مرتب کر کے اپنے فاضلانہ مقدمہ کے ساتھ شائع کرایا ہے۔

یہ کتاب امتحان مولوی و منشی کامل یو۔ پی بورڈ الہ آباد اور مختلف مدارس عربیہ میں داخل ہے مبتدی اور منتہی طلبہ کے لیے اس کا مطالعہ بے حد مفید ہے۔

سائز $\frac{20\times30}{16}$ کتابت و طباعت و کاغذ عمدہ، صفحات ۱۳۰۔

قیمت: ۴ روپے۔ ملنے کا پتہ:

معتمد زاویہ علمیہ۔ دفتر جمہور، محمد علی روڈ، بالائے قلعہ، علی گڑھ یو۔پی

مکتبہ برہان، ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۶